بسم اللہ الرحمن الرحیم

منشآت ـــــ آیاتِ قرآنی اہل اللہ کے دیدۂ اعتبار میں

جناب کیپٹن محمد قطب الدین احمد صاحب
بختیار کاکی۔

قرآن اور سیرۃ سوسائٹی کا ایک فعال شعبہ حلقۂ فکرِ قرآنی ہے۔ چند منتخب اصحاب ذوق پر مشتمل ہر ماہ کی درمیانی تاریخوں میں۔ اس بزم کا انعقاد ہوا کرتا ہے جس میں موضوعِ فکر کے لیے حسب ترتیب چند رکوعات دی جایا کرتی ہیں اور شرکائے جلسہ اپنی اپنی توفیق و نصیبِ فہم کے مطابق فکری تاثرات پیش کرتے ہیں۔ آج کل مطمحِ فکر و نظر سورۂ نحل ہے۔ حالیہ اجلاس میں اس ہیچ میرز نے اصحاب معرفت کے چند اعتبارات کے اظہار و بیان کی سعادت حاصل کی تھی جو اپنے ندرتِ فکر و تاثر میں ایک خاص کیفیت کے حامل ہیں، اس لیے اہلِ ذوق کے نزہتِ فکر و فواد کی خاطر بغرض اشاعت روانہ کیے جارہے ہیں، امید کہ آپ اس کارِ خیر میں تعاون فرمائیں گے۔

مے من از تنک جاماں نگہ دار		شراب پختہ از خاماں نگہ دار
شرار از نیستانے دور تر بہ		بخاصاں بخش و از عاماں نگہ دار	'اقبالؔ'

پانی صاف سرچشمہ کے قریب ہی کا ہوتا ہے، جتنا منبع سے دوری ہوتی جائے گی اتنا ہی وہ گدلا اور گندہ ہوتا جائے گا، خواہ اس دریا کا پاٹ کتنا چوڑا چکلا ہوجائے اور اپنے بہاؤ میں یہ کتنے ہی ٹھاٹھیں مارنے لگے، بلندی سرچشمہ ہی کو حاصل رہے گی اور دوری پستی ہی میں زیادتی کا موجب ہوگی۔ بہ مصداق اس انگریزی کہاوت کے: دریا اپنے منبع سے ہرگز بلند نہیں ہوسکتا۔ The stream can never rise above the spring head محفوظ تصورت یہی ہے کہ اہل اللہ

کے ارشادات کی روشنی میں راہِ ہدایت پر گامزن رہیں، جیسا کہ رموزِ بیخودی میں علامہ اقبالؒ کا ارشاد ہے:

زِ اجتہادِ عالمانِ کم نظر　　اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست　　کارِ پاکاں از غرض آلودہ نیست

آج کی صحبت میں جن رکوعات کو فکر و نظر کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا گیا ہے، دورانِ تلاوت ان آیات کی تفسیر و تعبیر کے تعلق سے ان بزرگانِ دین کے فرمودات ذہن و دماغ میں محفوظ تھے انھیں حسنِ ترتیب سے بصورتِ گلدستہ یکجا کر دیا گیا ہے: ..

گرچہ از بیگانگی خود را بہ بیگاں بستہ ام　　در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

یا بقول ورڈس ورتھ (Wordsworth) کے الفاظ ہیں: میں دوسروں کے سرمایہ کا محض جمع و تقسیم کنندہ ہوں — I am but a gatherer & disposer of other men's stuff.

اس سلسلہ کی اوّلین آیت (نمبر ۵۱) جو پوری شانِ یکتائی کے ساتھ فکر و نظر کو ایک رشتہ میں پرونے کو بے قلب خاتم پر بجلی بن کر گر رہی ہے، پہلے وحی و تنزیل کے تراشیدہ الفاظ میں اس کی تلاوت کر لی جائے:

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ اور اللہ فرماتا ہے: دو دو معبود اپنے لیے اختیار نہ کرو، حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے، تو دیکھو صرف مجھی سے ڈرو۔

جب تک ترغیب و ترہیب کے سارے رشتے ایک ایک کر کے نہ ٹوٹیں گے، توحید میں کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک سے جڑنے کے لیے سب سے ٹوٹنا پڑے گا۔ واللہ لن یصل الی الکل الا من انقطع عن الکل۔ قسم بخدا! ذاتِ کل سے اس وقت تک واصل نہ ہو سکو گے جب تک ساری کائنات سے منقطع نہ ہو جاؤ گے۔

آنکس کہ پا نہاد بکوئے تو سر نداشت　　وانکس کہ سر نہاد بپائے تو بر نداشت

اس راہ کی پہلی رکاوٹ نفسِ خادع کی دسیسہ کاریاں ہیں، اور یہی سب سے بڑا بت ہے، النفس ھی الصنم الاکبر، بایزید بسطامی نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا، سوال کیا، الٰہی! کیف الطریق الیک، جواب ارشاد ہوا، دع نفسک تعال، ؎

یعلم اللہ! دو قدم راہ ست و دیگر راہ نیست ... یک بر نفسِ خود نہ، واں دگر در کوئے دوست

کفر کی بنیاد نفس کی مرادات پر قیام کرنا ہے، اساس الکفر قیامک علیٰ مراد نفسک۔

سنائی و سرمد کس دلپذیر انداز میں اس صورتِ حال کی ترجمانی کر رہے ہیں:

با دو قبلہ در رہِ توحید نتواں رفت راست … یا رضائے دوست باید، یا رضائے خویشتن

سرمد گلہ اختصار می باید کرد … یک کار ازیں دو کار می باید کرد

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد … یا قطع نظر زیار می باید کرد

عرفی بھی ان ہر دو کے ساتھ کھڑا ہوا اپنی فطری شانِ یکتائی کے ساتھ للکار رہا ہے:

کسے کہ رو بحریم رضا نمی آرد … نوید وصل بہ گوشش صبا نمی آرد

حضورؐ کا ارشاد ہے میری امت میں شرک کی صورتیں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ تر ہیں جو کسی شبِ تیرہ و تار میں سنگِ سیاہ پر چل رہی ہو، اَلشِّرْکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلَۃِ الَّتِیْ تَدِبُّ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّظْلِمَۃٍ عَلٰی صَخْرَۃٍ سَوْدَاءَ۔

ہمارا علم و ادب قرآن و حدیث کے افکارِ عالیہ سے اس قدر مالا مال ہے۔ اور ہمارے اسلاف نے ایسے ہر تخیل کو شعر و سخن کا جامہ پہنایا ہے جو حرف و صوت کے حسین پردوں سے زیادہ نفسِ مضمون کی خوش اندامی پر دلالت کرتا ہے۔

بہ طرازِ زندگی قامت موزوں نازم … یک قیامت نیست کہ شائستۂ اندام تو نیست

اس حدیث کے ترجمہ کو لفظی رعایتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کس خوش اسلوبی کے ساتھ ادبیت کے بلوریں آبگینوں میں چھلکایا گیا ہے

لاف بے شرکی مزن، کاں از نشانِ پائے مور … در شبِ تاریک بر سنگِ سیاہ پنہاں تر است

یہ دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ دینی تخیل کو بلا نشریات کی طرف رجوع کئے صرف اشعار ہی سے اس کی توضیح و تفسیر کی جاسکتی ہے۔

توحید کا میدان بڑا سنگلاخ ہے، یہاں رنج و راحت، نفع و نقصان کو زید و عمر کی طرف منسوب کرنا بھی ایک طرح کا شرک ہے۔

دریں نوعے از شرک پوشیدہ است کہ زیدم بیازرد و عمروم بخست

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کو سلطان و اخوان ہر دو نے جفا و ستم کا نشانہ بنایا۔ خود آپ کی خانقاہ میں رات کی تاریکیوں اور خلوت کی تنہائیوں میں ایک قلندر صفت در آیا اور آپ کے جسم کو زخموں سے لالہ زار بنا دیا۔ عقیدت مندوں نے اس ظلم و زیادتی کا قرار واقعی انتقام لینے کی اجازت چاہی۔ آپ نے ان سب کے جواب میں یہ شعر تحریراً ارسال فرمایا ؎

چوں حوالہائے ایں ضرب زجانب دگر است ننگم آید گر بگویم کز فلاں رنجیدہ ام

جانداروں سے گذر کر بےجان اشیاء تک کا انتساب وہاں گوارا نہیں۔ جب بایزید بسطامیؒ کا انتقال ہوا۔ پوچھا گیا ہمارے دربار میں کیا لائے ہو، اس سوال پر بڑی شرمندگی ہوئی کہ کیا عمل بتاؤں۔ اپنے نزدیک بےغبار جان ذہن کیا "توحید" لایا ہوں، کیونکہ یہ تو دنی شرط اسلام ہے، جس کے عرض کرنے میں کوئی دعویٰ نہیں۔ ارشاد ہوا ذرا لیلۃ اللّبن کو یاد کرو، جب کہا تھا کہ دودھ پینے سے درد ہوگیا، کیا منہ لے کر دعویٰ توحید کرتے ہو، دودھ کو فاعل ٹھہرا چکے ہو۔ کانپ اُٹھے، غرض کیا الٰہی بجز اعتراف عجز و قصور کوئی سرمایہ نہیں ہے ؎

ندارم ہیچ گونہ توشۂ راہ بجز لاتقنطوا من رحمۃ اللہ

یہ توحید ہے جو معرفت کے کامل ہونے سے کامل ہو جاتی ہے، اور پھر یہ حالت ہوتی ہے ؎

موحد چو بر پائے ریزی زرش چو فولاد ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد زکس ہمین ست بنیاد توحید و بس

سورۂ یوسف کی آیات سے بھی حدیث نفس حیۃ الصدر کی تائید ہوتی ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ان میں سے اکثر کی حالت یہ ہے کہ خدا پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور پھر مشرک کے مشرک ہیں

ہم اس آیت کو پڑھ کر آگے گذر جاتے ہیں کہ یہ ہمارے متعلق نہیں، ہم تو کسی بت کی پرستش نہیں کرتے، یعنی ہماری نگاہ مٹی اور پتھر کے بتوں کی طرف رہتی ہے۔ اور ان بتوں کو کبھی نہیں دیکھتے جو ہر آن ہمارے قلب و دماغ کے صنم کدوں میں ڈھلتے رہتے ہیں ؎

چہ حرفہا کہ درون حرمے ساختہ اند — اہل توحید یک اندیش و دو وہم اند ہمہ ‌ اقبال

خواہشات اور دولت کو الٰہ بنانا اور غیر اللہ کو اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا ملجا و ماویٰ سمجھنا یہ انسانیت کا عام روگ رہا ہے۔ انبیا تک نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل ؑ نے دعا فرمائی، وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ مجھے اور میری اولاد کو صنم پرستی سے باز رکھ! آپ کی مراد بتوں سے بھی خواہشات اور دولت کے بت تھے، کیونکہ نبوت کا مقام اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ پتھروں کو خدا جاننے لگے۔ اس معاملہ میں اصل اساس استقامت و یکسوئی ہے، خواہ عیش و راحت کی خوش وقتیاں ہوں یا غم و اندوہ کی خستہ حالیاں، یہ ہر دو صورتیں کسی نوع سے فارغ حال نہ ہو سکیں۔ ؎

نہ شادی داد سامانے، نہ غم آورد نقصانے — بہ پیشِ ہمت ما ہر چہ آمد بود مہمانے

موج خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے — آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

ترمذی کے حوالے سے مشکوٰۃ میں یہ روایت ہے۔ عن علی رحمہ اللہ عمر یقول الحق وان کان مرا له الحق وماله من صدیق، حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ خدا عمرؓ پر رحم فرمائے، ان کی بے مروّ رعایت حق گوئی نے کسی کو ان کا دوست نہیں رکھا۔ چنانچہ قاتل عمرؓ فیروز دیلمی کی برہمی اسی حق گوئی کا نتیجہ تھی۔ یہ ہے توحید کی مختلف شانیں ہیں ؎

تیغ "لا" در پنجۂ این کافر دیرینہ دہ — باز بنگر در جہاں ہنگامۂ "الا" ے "من (اقبالؒ)

سفیان ثوریؒ کا قول ہے: کسے کہ نزد ہمسایہ اش دوست نزد اخوانش محمود باشد بدانید

آں مردمدا ہنست۔ اگر کوئی اپنے ہمسایہ کے نزدیک دوست اور اپنے ساتھیوں میں پسندیدہ ہو تو جان لو کہ وہ اخلاقی جرأت سے محروم دور خا ہے۔ اس آخری دور میں مولانا محمد علیؒ جوہر کی بھی یہی حالت تھی کہ حق گوئی اور صداقت شعاری کے باعث سب رفیقان طریق نے ان کا ساتھ ایک ایک کر کے چھوڑ دیا اور گول میز کانفرنس میں اتفاقاً تنہا اپنی ذات سے ایک انجمن کی شان کے ساتھ کہ وہ تنہا بیٹھے اور خود اپنے اس الہامی شعر کا مصداق ثابت ہوئے ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے   یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

دیکھیے ہمارے شعر و ادب کا سرمایہ اس مضمون کو کتنے بوقلموں انداز میں پیش کرتا ہے۔ شاہجہانی دربار کا ملک الشعراء ابو طالب کلیم کہتا ہے ؎

پسند خاطر یک تن نیم چہ چارہ کنم   کہ بے نفاق بیک دل نمی تواں جا کرد

نظیری نیشاپوری اسی بادۂ گلرنگ کو اپنے ساغر میں اس طرح چھلکا رہا ہے ؎

تا یک دلت پسند کند قرب او مجوئے   سرمایۂ قبول، در انکار عالم است

علامہ اقبال کس گہرائی میں غوطہ زن ہو کر اس مضمون کو اچھال رہے ہیں۔ ؎

دل بہ کسے نباختہ، با دو جہاں نہ ساختہ   من بہ حضور تو رسم روز شمار ایں چنیں

سنگ نی باش و دریں کارگہ شیشہ گذر   وائے سنگے کہ صنم گشت و بہ مینا نہ رسید

اس کارگہ شیشہ گراں اور مینا خانۂ آب و رنگ میں اسوۂ حسنہ کو نصب العین بنایا جائے، تعظیم و تکریم تک کو گوارا نہ کیا جائے، تعظیمی برخاست کو یک لخت برخاست اور ان چاپلوسانہ انداز میں پیچھے چلنے والوں کو حضرت علیؓ کی طرح دو ٹوک انداز میں کہہ دیا جائے کہ یہ طریق تمہاری ذات اور میرے نفس کے لیے موجب فتنہ ہے۔ ایک مقام پر علامہ اقبالؒ اس طرح رطب مناجات ہوتے ہیں ؎

تا ز غیر اللہ ندارم ہیچ امید   یا مرا شمشیر گرداں یا کلید

ہم جس خفیض نکبت اور قعر مذلت میں گھرے ہوئے ہیں از بان پر خدا کا نام لیکن سر حکمرانوں کے آستانوں پر جھکے ہوئے، ماتھے پر نماز کے گھٹے لیکن پیروں میں غیر اللہ کی بیڑیاں پڑی ہوئی۔

یہ دکھڑا ابھی علامہ ہی کی زبان سے سن لیجئے۔

گرچہ بر لبہائے او نامِ خداست   قبلۂ او طاقت فرمانرواست

بندہ غیر اللہ اندر پائے تست   داغم از داغے کہ در سیمائے تست

اس کے بعد اگلی چار آیتوں میں فطرتِ انسانی کی دکھتی رگوں اور دل کے چوروں کو پکڑا گیا ہے، اور ساری پرستاریوں، پیر پرستی قبر پرستی اور اوہام پرستی کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ اصل کارسازِ حقیقی اور مربی وہی ہیں، عطا و بخشش ان ہی کی طرف سے ہے، از ما و شما بہانہ ساختہ اند۔ جیسا کہ مولانا روم نے کہا ہے:

او بدلہا می نماید خویش را   او بدوزد خرقۂ درویش را

ہدیہ ہر کہ داری اے درویش   ہدیۂ حق شمر نہ کدیۂ خویش

علامہ اقبال اس خصوص میں بطور ناز و دلال اللہ تعالیٰ سے شکوہ سنج ہیں:

من از کارِ آفریں داغم کہ با ایں ذوق پیدائی   ز ما پوشیدہ دارد شیوہ ہائے کارسازی را

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (النحل) وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ خدا کے لیے ردی مثالیں ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اس ذات برتر کے لیے اعلیٰ ترین تمثیلات ہیں، وہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔

انسان کی عقل محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے۔ جب وہ کسی غیر مرئی و غیر محسوس چیز کا تصور کرے گی تو ناگزیر ہے کہ اس کے ذہن میں وہی چیزیں آئیں جنھیں وہ رات دن دیکھتی اور سنتی رہتی ہے۔ جو بھی اس نوع کا تصور قائم ہوگا وہ ناقص اور قیاس مع الفارق ہوگا۔ اصنام پرستی کی ساری بیماریاں تجسیم (Anthropomorphism) اور تشبیہ (Anthropopathism) ہی کا نتیجہ ہیں جن میں خدا کو بھی اپنی کوتاہ اندیشی سے ان کی اعضاء و جوارح اور احساسات و جذبات سے متصف کیا گیا ہے جس سے خود اس کی کمزور خلقت اپنی ساری ناتوانیوں کے ساتھ رینگ رہی ہے۔ مورتی پوجا (Idolatory) اور بانت صورت

کا قارورہ ملتا جلتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں گھڑنے اور اپنی خستہ حالی اور شکستہ بال عقل کو ان نارسا بلندیوں پر پہنچانے کی لا حاصل کوششوں میں تھکا مارنے سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ ایک متناہی لانہایت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تم اپنی دانست میں جسے انتہا سمجھتے ہو وہ تمہارے طائر عقل کی حد پرواز ہے۔ جتنے بلند ہوتے جاؤ گے اتنی ہی وسیع سے وسیع تر فضائیں اپنی محیط الکل پہنائیوں کے ساتھ پیش نظر ہوتی جائیں گی اور تم عاجز و درماندہ ہو کر رہ جاؤ گے۔ دیکھیے اسلامی ادبیات میں اس صورت حال کی شعر و سخن کے آئینوں میں کس کمال فن کے ساتھ عکاسی و جلوہ طرازی کی گئی ہے۔

هرچه نزد تو بیش ازاں راه نیست　　غایت فهم تست الله نیست　رومی
اے برادر بے نہایت درگہیست　　هرچه بروے میرسی بروے مایست　"
هرچه اندیشی پذیرائے فناست　　آنچه در اندیشه نایدآں خداست　"
از پئے ادراک تو هرجا که هست　　حیرت اندر حیرت اندر حیرت است　"
اے بروں از وہم و قال و قیل من　　خاک بر فرق من و تمثیل من　"
ذره ذره در دو گیتی فهم تست　　هرکه راگوئی خدا آں وهم تست　(سنائی)
لے که در فهم خرد زبوں باشی　　عارف کردگار چوں باشی　"عطار"
نسبت رویت اگر باماه و پروین کرده اند　　صورت نادیده تشبیهے بتخمین کرده اند　"حافظ"
آں نارسائی که بجز وهم نمیرسد　　پرواز تا بگے آں طرف کبریا کنند　"بیدل"

کلما ہجس ببالک، او خطر خیالک، فاللہ تعالیٰ بخلاف ذلک، جو تیرے دل میں آئے اور دماغ میں خطور کرے بالیقین اللہ تعالیٰ ان سب کے خلاف ہے۔ ابن عطاء اسکندری کا قول ہے، العقل آلۃ العبودیۃ لا الاشراف علی الربوبیۃ، عقل بندگی کا ذریعہ ہے نہ خدا تک پہنچنے کا وسیلہ۔ من عرف ربہ کل لسانہ، کآنراکہ خبر شد، خبرش باز نیامد۔ بیندہ را عبادت نیست، و عبادت کنندہ را دیدار نیست۔

ترے جلوؤں کے آگے ہمتِ شرح و بیاں رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی، زبانِ بے نگاہ رکھ دی (اصغر)

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کا ارشاد ہے خدا کو قلب میں بسایا جا سکتا ہے، مگر دماغ میں رچایا نہیں جا سکتا جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنے خطبات مدراس میں کہا ہے God is a percept and not a concept سورۂ طٰہٰ کی اس آیت سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (۱۱۰) ذہن اس کا احاطہ نہیں کر سکتا

اکبر الٰہ آبادی بھی اس دور میں متقدمین کے ساتھ مساوی الاقدام ہیں :-

ذہن میں جو گھر گیا، لا انتہا کیونکر ہوا جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا
دل میں تو سماتا ہے سمجھ میں نہیں آتا بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے
کیوں خدا کے باب میں بحثوں کی اتنی دھوم ہے ہست میں کچھ شک نہیں اور چیست نا معلوم ہے

بعض عارفین تام المعرفت اس کی ذاتِ مجرد کو اس ہستی کے داغ سے بھی ملوث ہونے نہیں دیتے۔ رسائل تصوف میں خواجہ میر دردؒ ان الفاظ میں اس کی توضیح کرتے ہیں، "اصل تحقیق ہمین ست کہ مرتبۂ او سبحانہ از ہستی ہم ماورا ست (اصل تحقیق یہی ہے کہ اس ذات پاک کا مقام ہستی سے بھی ماوراء ہے)۔

نیند لشید اندیشہ افسردن ازیں کہ ہستی نہ بلکہ بیرون ازیں

مرزا مظہر جانجاناںؒ کا ارشاد ہے، عقل عقلا در ادراک ادنیٰ کنہ اسماء و صفات او دائرہ وار سرگرداں ست، و فہم کبریٰ در تعقل صغریٰ مقام ذات او آئینہ تمثال حیران ہے

زعلیا اعلیٰ و بالا ز بالا بلندی ہم نمی گنجد در آنجا
مقامش از عقول انبیاء پاک رسل را ہم بکنہش نیست ادراک

خود علوم ادیبین و آخرین کے تاج دار مدینۃ العلمؐ کا ارشاد اپنے بارے میں یہ ہے، ما عرفناک حق معرفتک، لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک، ہمارے طورستان تجلی کے کلیمان اول۔ صدیقؓ و حیدرؓ۔ کا ارشاد ہے، العجز عن درک الادراک

ادراکٗ، والبحث عن سر ذات اللہ اشراکٗ۔ اس میدان میں اعتراف جہل ہی کو مقام عرفان حاصل ہے۔ ع معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد۔

تا بدانجا رسید دانش من ۔۔۔۔ کہ بدانم ہمیں کہ نادانم

بر رمز کارگاہ ازل کیست وارسد ۔۔۔۔ گر مانئی رسیم مگر عجز ما رسد دبیدلؔ

یہی وجہ ہے کہ بجائے اللہ کی ذات اور صفات کے اس کی کاریگریوں (آلاء اللہ) پر غور و فکر کی ہدایت کی گئی ہے، تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ (الحدیث) یہ بادشاہوں کی سی تمثیلات اور اس کے دربار تک پہنچنے کے لیے درمیانی وسائل و ذرائع کا لزوم اسی کج اندیشی اور گمراہی فکر کا نتیجہ ہے۔ یہاں تو انسانیت کو کمال پر پہنچا کر اسلام نے نبوت کو بھی درمیان سے ہٹا لیا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے خطبات مدراس میں اس صورتِ حال کو پیش کیا ہے۔ In Islam apostleship reaches its perfection in discovering the need of own abolition.

اسلام میں رسالت ذروۂ کمال پر پہنچ کر خود اپنی برخاستگی و اختتام کی ضرورت کا انکشاف کرتی ہے لیس کمثلہ شیء، اور فلا تضربوا للہ الامثال کے "بھرپور وار" سے ساری تمثیلی فلک بوس عمارتوں کو ثریا سے ثریٰ پر پہنچا دیا گیا اور ہر صفت میں تنزیہہ، تقدیس، تحمید، تسبیح کی صورت پیدا کر دی۔ وہ سمیع ہے لیکن تمہارے جیسا نہیں، بصیر ہے لیکن تمہارے جیسا نہیں، علیم ہے لیکن تمہارے جیسا نہیں، جو کچھ بھی اس کے بارے میں کہو گے وہ اس سے پاک اور بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی اسمائے الٰہی ہیں وہ توقیفی (موقوف بر سماع و نقل) ہیں۔ کیونکہ نام رکھنے کی وہی صلاحیت رکھتا ہے جو کسی کو کا ملاً جانتا ہو، ورنہ پھر مولانا روم کے اس دہقانی کی طرح ہوگا جس نے بادشاہ کی سب سے بڑھ کر تعریف اپنی دانست میں یہ کہہ کر کی تھی کہ تو جولاہہ نہیں ہے ؎

جاہلے گفت شاہ را جولاہ نیست ۔۔۔۔ مدح دانست و ز مدح آگاہ نیست

یہاں بادشاہ کی تعریف میں اثباتی نہیں منفی پہلو اختیار کیا گیا لیکن تعریف کی اس محفوظ تر صورت میں بھی جہالت اور نادانستگی کے باعث ٹھوکر لگ رہی ہے اور اس طرح کے اظہار میں بجائے تحسین کے تہجین پائی جا رہی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن ؛ حدیث میں جو نام خدا کے لیے متعین کر دیے گئے ہیں انھیں ناموں سے اسے پکارنا اور یاد کرنا . . . . سوئے ادب میں داخل ہے کہ ہم خدا کو، اے خالق مار و کژدم اور اے آفریدگار خوک و تا ذورات نہ کہہ کر پکاریں۔ اگرچہ کہ یہ حقیقت کے خلاف نہیں لیکن ادب کے خلاف ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل ؑ نے، واذا مرضتُ فھو یشفین، فرمایا یعنی مرض کا انتساب اپنی طرف کیا اور شفا کا خدا کی طرف۔ تمجید و تقدیس اسی طرح پر کی جائے جیسا کہ بتلایا گیا ہے، ورنہ اس راہ کی ہر ٹھوکر تجسیم، تشبیہ، اور تشخص کے گڑھوں میں گرا دیگی اور برہمن کی طرح اپنی ہی صورت پر مورتی تراش کر پوجا شروع کر دوگے۔ بقول علامہ اقبال :۔

تراشیدم صنم بر صورت خویش		بہ شکل خود خدا را نقش بستم
مرا از خود بروں رفتن محال است		بہ ہر رنگے کہ ہستم خود پرستم

اصغرؔ گونڈوی نے ان گوناگوں تصورات کی برق آسا کیفیات کو کس خوبی کے ساتھ لحن و صوت کے پردوں میں ٹیپ ریکارڈ کیا ہے :۔

حسن کے فتنے اٹھے میرے مذاقِ شوق سے		جس سے میں بے چین ہوں وہ خود مری آواز ہے
میرے مذاقِ شوق کا اس میں بھرا ہے رنگ		میں خود کو دیکھتا ہوں کہ تصویر یار کو
سو بار تیرا دامن ہاتھوں میں مرے آیا		جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں تھا
جلوہ تو لاابتک ہے نہاں چشم بشر سے		ہر ایک نے دیکھا ہے تجھے اپنی نظر سے
وہ شوخ بھی معذور ہے، مجبور ہوں میں بھی		کچھ فتنے اٹھے حسن سے، کچھ حسنِ نظر سے

معرفت الٰہی کی صرف ایک ہی راہ انسان کے لیے کھلی ہوئی ہے اور وہ ہے عرفانِ نفس ؛ من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ، خود شناسی خداشناسی ہے۔ الوہیت نما بدجلوہ ....

درصحن عبودیت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے فتح العزیز میں ایک مقام پر کیا خوب فرمایا ہے، کہ چوں بندہ خودرا مقہور دید، رب خودرا قاہر خواہد دید۔ چوں بندہ خودرا ممکن شناخت، رب خودرا بوجوب خواہد شناخت، وچوں خودرا مملوک دانست، رب خودرا مالک خواہد دانست، وچوں خودرا مفقود دید، رب خودرا قادر خواہد دید، وچوں خودرا مامور وذلیل شناخت، رب خودرا آمر وعزیز خواہد شناخت وعلیٰ ہذا القیاس۔ ارمغان حجاز میں علامہ اقبال رح کا بھی یہی مشورہ ہے:

مسلماں را ہمیں عرفان وادراک
کہ در خود فاش بیند رمز لولاک

خدا اندر قیاس ما نہ گنجد
شناس آں را کہ گوید ما عرفناک

زلافِ حمد ونعت اولیٰ ست برخاکِ ادب خفتن
سجودے میتواں کردن، درودے میتواں گفتن
(بیدل)

انہ میسر لکل عسیر وھو علیٰ ما یشاء قدیر وبالاجابۃ جدیر

ندوۃ المصنفین دہلی کی جدید مطبوعات

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں - مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری قیمت مجلد نو روپے
ترجمان السنۃ جلد چہارم - حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ قیمت مجلد سولہ روپے
تفسیر مظہری اردو جلد ششم ترجمہ مولانا سید عبدالدائم صاحب جلالی - قیمت مجلد پندرہ روپے
حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ حنیفہ رضی - مسلم یونیورسٹی علی گڑھ - قیمت مجلد آٹھ روپے

ندوۃ المصنفین - اردو بازار - جامع مسجد دہلی ۶